’’من چلے کا سودا‘‘ کے نسوانی کرداروں کا مردانہ کرداروں سے تقابل: مذہبی اور سماجی تناظر میں

ڈاکٹر شاہدہ رسول
Dr. Shahida Rasool

Abstract:

Pakistan television since its beginning has produced many quality drama serials which have influenced the Pakistani society a great deal. Ishfaq Ahmed is one of the play writers' who have continuously written Urdu drama serials for PTV and almost all of his dramas received much appreciation and great popularity among masses. We have studied the social and religious aspects of his drama serial "Man Chaly Ka Soda" in this article.

جب کبھی افسانوی ادب کا تانیثی مطالعہ کیا گیا تو مرد فکشن نگاروں کے تصورِ عورت کو سماجی حقیقت نگاری کا نام دے کر عورت کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے اغماض برتنے کی کوشش کی گئی۔ بیشتر ادیبوں نے جنس اور مذہب کی آڑ میں عورت کے حوالے سے اس قدر حقارت کا اظہار کیا کہ ان بڑے ادیبوں کی تحریروں کی وجہ سے طبقہ نسواں کے حوالے سے یہ تاثر نمایاں رہا کہ عورت لذت پرستی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں وہ مرد کی طرح فعال نہیں ہوسکتی۔ ڈراما چونکہ افسانے اور ناول کے مقابلے میں زیادہ موثر ذریعہ اظہار ہے اور اس وسیلے سے ڈراما نگار کو اپنے نظریات کے رد و قبول کے لئے افسانہ نگار اور ناول نگار کی طرح انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ اس لئے پاکستان ٹیلی ویژن کے اُردو ڈرامے میں بے شمار ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا گیا جو براہ راست خانگی امور سے متعلق تھے۔ ان ڈراموں میں بھی اکثر عورت کے کردار کے متنوع پہلو مثلاً مکر و فریب، حیلہ سازی، وفا شعاری، سادگی و معصومیت اور عقل و شعور وغیرہ پیش کئے گئے ہیں اور بیشتر مرد کردار خواتین پر حاکم اور مسلط نظر آتے ہیں تاہم استثنائی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ ’’من چلے کا سودا‘‘ کے مردانہ کرداروں کا نسوانی کرداروں سے تقابل اس امر کی تفہیم کی کوشش ہے کہ اشفاق احمد نے آزادی حقوق نسواں کی تحریک اور نعرے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے

لیکچرار، شعبۂ اُردو، دی وومن یونیورسٹی، ملتان

مردانہ اورنسوانی کرداروں کے ذریعے پاکستانی تہذیب ومعاشرت کوافرادِ معاشرہ کی امنگوں کے مطابق پروان چڑھانے کی ترغیب دی یا یہ کردار ہماری تہذیبی اور ثقافتی روح کے ترجمان ہیں ۔ یہ بھی دیکھا جاے گا کہ اس ڈرامے کے ذریعے انہوں نے مذہبی نقطہ نظر سے عورت کا جوتصور پیش کیا وہ صحیح اسلامی تصور ہے یا یہ ڈراما مشرق کے مقامی تصور کا ترجمان ہیں۔ڈرامہ اشفاق احمد کی ادبی شہرت کا بنیادی حوالہ تو نہیں لیکن اس میڈیم کے ذریعے انہوں نے اپنے مذہبی نظریات کا خوب پر چار کیا ہے۔''من چلے کا سودا'' ۱۹۹۲ء میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا۔اس کا موضوع فزکس سے میٹا فزکس تک کا سفر ہے۔ جس میں اشفاق احمد نے کمال ہنرمندی سے مرد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا ہے جبکہ اس ڈرامے کے تمام نسوانی کردار الجھے ہوئے متذبذب کردار ہیں جن سے خیر وبھلائی کی توقع بیکار ہے۔

اس تقابلی مطالعے میں بنیادی طور پر ڈرامے کے مرکزی کرداروں ارشاد اور مومنہ عدیل کا تقابل کیا جائے گا لیکن اشفاق احمد کے تصورِ عورت کو پوری طرح نمایاں کرنے کے لئے ضمنی نسوانی کرداروں کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں کا ہیرو سے موازنہ کیا جائے گا۔ارشاد کے کردار کی ذہنی ساخت کا مطالعہ کریں تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مصنف نے اس کردار کے ذریعے جہاں تصوف کے مختلف مدارج کی ترجمانی کی ہے وہاں اس کردار کا ذہنی ارتقا بھی دکھایا ہے جبکہ ڈرامے کے مرکزی نسوانی کردار مومنہ عدیل مذہب کے سانچے میں ڈھل جانے کی شدید آرزو کے باوجود فکری جمود کا شکار ہے۔ارشاد چونکہ فکری سطح پر مرد ہونے کی وجہ سے ارفع ہے اس لئے وہ بآسانی تمام آسائشوں کو تج کر راہ سلوک پر گامزن ہوجاتا ہے۔اور مومنہ عدیل سلوک کا سفر اس لئے اختیار نہیں کرسکتی کہ محبت مرد کی میراث ہے۔عورت کو ازل سے ہی مرد کی محبت میں مبتلا کیا گیا۔اس لئے خدا سے وصال یا قرب کا جو مقام ارشاد نے مجاہدے کے ذریعے حاصل کیا۔مومنہ عدیل اُسے حاصل نہ کرسکی۔

مومنہ عدیل ڈرامہ سریل ''من چلے کا سودا'' کا مرکزی کردار ہے جس کے ذریعے اشفاق احمد نے عورت اور مرد کے حوالے سے اُن نظریات کا پرچار کیا ہے جنہیں صوفیائے کرام متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں ڈرامے کا مرکزی موضوع تصوف ہے۔اس لئے اس کردار کے اندر وہی کشمکش دکھائی گئی ہے جو دونوں دنیاؤں کے تمنائی شخص کے اندر برپا ہوسکتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مومنہ عدیل تیسری دنیا تک پہنچنے کی ناکام کوشش میں مصروف دکھائی دیتی ہے اور اس ناکامی کا بڑا سبب خود مومنہ عدیل کے خیال میں یہ ہے کہ وہ ایک عورت ہے اس لئے سلوک کی وہ منزلیں طے نہیں کرسکتی جو مرد کرسکتا ہے۔

ڈراما نگار نے مونہ عدیل کی زبانی جس نظریے کا پرچار کرنا چاہا ہے اُسے پوری وضاحت کے ساتھ مومنہ کا مکالمہ درج کر کے پیش کیا جاسکتا ہے۔

> ''مرد کو تو خدا سے وصال کا شوق روزِ اول سے ہے سر، لیکن ہم عورتیں کہاں جائیں؟ ہم کس دیوار سے سر پھوڑیں اور کس کا سہارا پکڑیں۔ہم تو یہیں کہیں اس دنیا میں کسی کے خیال میں

کسی کے تصور کے بازوؤں میں دفن ہوجانا چاہتی ہیں اور ہمیں وہ مرقد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں سر کہ۔۔۔آپ کو کیا پتہ سر کہ عورت کی ذات پر کتنا بڑا ظلم ہوا ہے۔ روز اول سے لے کر اب تک اسے مرد کی روح میں اترنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مرد کی محبت اور مرد کا عشق خدا نے صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ مرد کافر ہو یا دہریہ ہو یا نافرمان ہو نہ ماننے والا ہو۔۔۔ اس کے اندر تاریک ترین گوشوں میں ایک روشن Dot ضرور موجود رہتا ہے جو بڑے نور میں گم ہونے کے لئے ہر وقت وائبریٹ کرتا رہتا ہے۔ مرد کو معلوم ہو یا نہ ہو۔۔۔ احساس ہو یا نہ ہو۔۔۔ خیال ہو یا نہ ہو اس کا دل اپنے محبوب میں ہی اٹکا رہتا ہے وہ جس جنت سے نکلا تھا سر آج تک اُسی جنت کے مالک کی حضوری میں سرگرداں ہے۔ مرد جنگیں لڑتا ہے۔ سر، خون بہاتا ہے۔ ایجادیں کرتا ہے، بت بناتا ہے، شعر لکھتا ہے۔ شکار کھیلتا ہے لیکن اس کے اندر ایک ہی محبوب کا تونبہ بجتا رہتا ہے۔ وہ سنے نہ سنے۔۔۔ جانے نہ جانے۔۔۔ پہچانے نہ پہنچانے، تارا دھر ہی کھڑکتی ہے۔ اس کی لیکن ہم کیا کریں سر۔۔۔ ہم کدھر جائیں۔ ہم اس جھوٹے، مکار، فریبی اور بے وفا سے دل کیوں لگائیں جو ہمیں آخری وقت چھوڑ کر الگ ہوجاتا ہے۔"[۱]

ہم دو وجوہات کی بنا پر اس رائے کو کلیتاً مسترد کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر عورت کو مرد کی روح میں اترنے کی اجازت نہیں ہے تو مومنہ عدیل یہ کیونکر جانتی ہے کہ مرد کے دل میں ایک ایسا روشن Dot موجود ہے جو بڑے نور میں گم ہونے کے لئے وائبریٹ کرتا رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ قرآن مجید کے مطالعہ کرنے والے یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالح کے نتیجے میں مرد اور عورت دونوں کو بہترین صلہ عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

دراصل یہ مسئلہ پورے تصوف میں کسی عقدہ لاینحل کی طرح ہمیشہ موجود رہا ہے۔ کبھی عورت کو یہ کہہ کر احساس کمتری میں مبتلا کیا جاتا رہا کہ اس کی گواہی آدھی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے تو کبھی اُسے اس لاحاصل بحث میں الجھا کر کہ مرد کی روح میں اترنے کا اِذن قدرتی طور پر اُسے حاصل نہیں۔ مرد نے اپنی بالادستی اور برتری تسلیم کرائی ہے مگر یہ سارے نظریات اس لئے فروغ پائے کہ ہم نے اسلام کی اصل روح کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر یہ درست ہوتا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا حق صرف مرد کو حاصل ہے اور عورت کو مرد کی روح میں اترنے یا سلوک کی منزلیں طے کرنے سے فطری طور پر محروم کر دیا گیا ہے تو حضرت مریمؑ کے حوالے سے یہ الفاظ قرآن حکیم میں نہ آتے:۔

"وَاِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ"[۲]

(اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا تجھ کو سب جہاں کی عورتوں سے۔)

فرعون کی رعونت اور تکبر کے باوجود اس کی بیوی حضرت آسیہ کے تقویٰ اور پرہیز گاری کو اہل ایمان کے لئے ایک روشن مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ م اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔"(۳)

(اور اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایمان والوں کو عورت فرعون کی جب بولی اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے۔)

حضرت رابعہ بصریؒ کے مقام و مرتبے سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ رہی یہ بات کہ عورت کو مرد کی روح میں اترنے کی اجازت نہیں تو یہ قدغن بھی مرد نے خود عورت پر لگا رکھی ہے۔ لازم نہیں کہ اگر عورت مرد کی روح میں نہیں اتر سکتی تو اس کا سبب مرد کے نہاں خانہ دل میں چھپا ہوا محبوب حقیقی ہو۔ مرد نے دراصل اپنی حاکمیت قائم رکھنے کے لئے عورت کے محاسن یا کمالات پر توجہ ہی نہیں کی جس کی وجہ سے مرد اور عورت کا روحانی تعلق قائم نہیں ہو سکا۔ شاید یہ اعتراف ڈراما نگار کے لئے ناممکن تھا کہ اگر عورت مرد کا روحانی قرب حاصل نہیں کر سکتی تو دراصل مرد کی کم ظرفی ہے۔

اب ذرا ڈرامے کے مرکزی کردار ارشاد کی علویت کی تصویر ملاحظہ کیجئے۔ وہ ایک ایسا امیر کبیر شخص تھا جسے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر آئے تو اس نے لندن میں ہی مارتھا سے نکاح کر لیا لیکن تہذیب و ثقافت کے تفاوت کی وجہ سے دونوں اس تعلق کو تا دیر نبھا نہ سکے۔ مارتھا کو طلاق دینے کے بعد ارشاد وطن واپس لوٹا تو اس کی خالہ زاد شبانہ کی شادی شدہ زندگی میں ارشاد کی موجودگی نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ مارتھا سے شادی ارشاد کی ضرورت تھی لیکن شبانہ اس کی محبت تھی۔ لہٰذا جب شبانہ کے اصرار پر وہ اپنی مرضی کو اس کی مرضی پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوا تو یہ نفس کشی اس کے لئے عرفانِ ذاتِ باری تعالیٰ کا پہلا زینہ ثابت ہوئی۔

اس کردار کے وسیلے سے مرد کی ذہنی اور عقلی بالیدگی کو اس حد تک نمایاں کیا گیا کہ دنیا کے ہر مسئلے اور ہر اختلافی نظریے سے متعلق ارشاد کی رائے ڈرامے کے دیگر کرداروں کے لئے نہ صرف مقدم تھی بلکہ ان کی نفسیاتی تسکین کا سبب تھی۔ ارشاد نے جب اپنی شناخت کے بنیادی حوالے (تصوف) کی جستجو کا آغاز کیا تو اپنے مرشدوں، محمد حسین ڈاکیہ، موچی رمضان، لبھا کھا کروب اور عبداللہ گڈریا کی ہدایات پر غرور اور تکبر کو دل سے نکالنے کے لئے اس نے اپنی ماں سمیت ہر چیز سے کنارہ کشی اختیار کر لی مگر وہ اس گوشہ نشینی کو رہبانیت سے تعبیر نہیں کرتا کیونکہ اس کے خیال میں وہ خلقِ خدا کی معاونت میں سرگرمِ عمل ہے۔

ڈرامے کے مختلف مناظر میں وہ محمد حسین ڈاکیہ سے استدعا کرتا دکھائی دیتا ہے کہ اس کے

لفافے پر مہر لگ جائے لیکن محمد حسین ڈاکیہ اس وقت تک اسے ذلیل ورسوا کرتا رہا جب تک وہ اخلاق کے اعلیٰ مدراج پر پہنچ کر اپنے سے کم درجہ انسانوں کی محبت اور شفقت سے اصلاح کے قابل نہ ہوا۔ یوں یہ بات بہ آسانی کہی جا سکتی ہے کہ ارشاد جسے وقت کا صاحب ارشاد بنانے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ اُس سے ہر وہ کام لیا گیا جسے دیکھ کر دنیا اس پر لعنت ملامت کرے لیکن صوفی اپنے مقصد حیات کو پالے۔

ڈرامے کے منفرد موضوع کی وجہ سے ارشاد کا راہ سلوک پر گامزن ہونا اور منزلِ مقصود کی تلاش کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ ہمارے تصوف میں ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں جہاں محنت اور کوشش سے لوگوں نے اعلیٰ اور ارفع مقام پایا لیکن دین کی رو سے ترکِ دنیا انسانیت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ ارشاد اگرچہ اپنے مریدوں اور متعلقین کی ضروریات کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا تاہم اپنی بوڑھی ماں کو چھوڑ کر دنیا و مافیہا سے الگ ہو جانا کوئی قابل قدر روایت نہیں۔ ارشاد اپنی ماں کو مطمئن کرنے کے لئے رانی میناوتی جیسی عظیم ماں کی مثال دیتا ہے جس نے اپنے بیٹے راجا گوپی چند کو اس لئے جوگ لینے کی اجازت دے دی کہ اس کا چندن بدن کندن بن جائے۔[۴] ڈرامے کے مرکزی کردار کا راجا گوپی چند سے متاثر ہونا اور اس کی ماں رانی میناوتی کو عظمت کے بلند معیار پر دیکھنا اس امر کا غماز ہے کہ اشفاق احمد نے اس ڈرامے میں صحیح اسلامی تصوف کی تشریح و توضیح پیش نہیں کی۔ جیسا کہ سطورِ بالا میں صراحت کی جا چکی ہے کہ ارشاد کے لئے معرفت کے حصول کا محرک مارتھا اور شبانہ کی جدائی تھی۔ اس لئے جب مومنہ عدیل اس کی زندگی میں آتی ہے تو وہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی کوشش میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ مومنہ عدیل کا جمال اور اس کی شخصیت ارشاد کے پختہ ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتی اور حد تو یہ ہے کہ ارشاد کی قدر و منزلت کو نمایاں کرنے کے لئے ڈراما نگار نے عورت کی ہتک اور تحقیر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ بلکہ اس عالم بزرگ اور صوفی کو عورت نے شیطان بن کر گمراہ کیا۔ اس مقصد کے لئے ڈراما نگار نے عذرا سلمان کی زبانی اپنی تعریف اور توصیف کی خواہش کا اظہار کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مرد ثابت قدم بھی ہو تو عورت اس کو ورغلانے اور بھٹکانے کا فریضہ ضرور انجام دیتی ہے۔

عذرا: آپ بڑے Elusive ہیں یہی بات آپ میں بڑی بری بھی ہے اور یہی Attract بھی کرتی ہے۔ پتہ ہے اتنے کلومیٹر کا ساتھ رہا آپ نے ایک بار بھی مجھے نہیں بتایا کہ میں کتنی خوبصورت ہوں۔

ارشاد: کیا مجھے بتانا چاہیے تھا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں۔۔۔؟

عذرا: شاید معلوم تو ہے۔۔۔ لیکن میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔[۵]

ارشاد: جس طرح مرد نے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے اور اپنا احترام کروانے کے لئے صدیوں اپنے ہاتھ سے، اپنے دماغ سے، اپنی روح سے، ساری قوت لگا کر اور خوشیاں تج کر اپنے لئے اَن گنت راستے کھولے، لاتعداد پروفیشن ایجاد کئے۔ پھر ان میں صاحب کمال

پیدا کئے۔۔۔۔کیا آپ لوگوں نے ایسی کڑی محنت کا تصور کیا؟ آپ لوگ عزت واحترام ترک کر کے اپنی پوجا کرواتی ہیں۔سو وہ ہوتی رہی اور ہوتی چلے جائے گی لیکن پجاری تا دیر آرتی اتار نہیں سکتا۔(۶)

یہ خیالات ڈرامے کے مرکزی کردار ارشاد کے ہیں جو ڈراما نگار کے متعصّبانہ رویے کا اظہار ہیں۔ یہ سلسلہ وار اردو کھیل بیسویں صدی کے آخری عشرے میں پیش کیا گیا مگر اس کا مرکزی کردار ارشاد اور اس کا مذکورہ بالا مکالمہ ڈراما نگار کے راسخ عقائد کی ترجمانی کے سوا کچھ نہیں۔

جہاں تک ڈراما نگار کے اس نظریے کا تعلق ہے کہ عورت نے ساری توجہ اپنی ذات کے نکھار پر صرف کی ہے تو اس خیال کو دنیا کی تمام خواتین پر منطبق کرنا طبقہ نسواں کے ساتھ ناانصافی ہے۔بیسویں صدی تک مادی ترقی کا جو سفر انسان نے طے کیا ہے اس کا سہرا تنہا مرد کے سر نہیں بلکہ موجودہ دور میں عورت ہر شعبہ زندگی میں مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔گزشتہ تاریخ کا مطالعہ بھی اس امر کا غماز ہے کہ خواتین نے جرات، بہادری اور عزم و استقلال کی بہترین مثالیں رقم کی ہیں۔ڈراما نگار نے ارشاد کے مذکورہ بالا مکالمے کے ذریعے اس کردار سے ابھرنے والے تاثر کو گہنا دیا ہے کیونکہ ارشاد جیسا باشعور کردار صنف نازک کو اپنی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کرتا دکھائی دیتا ہے۔اس لئے وہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہی عذرا سلمان کے سامنے پیش کر سکا۔یوں فکری پختگی کے باوجود ڈرامے کے مرکزی کردار ارشاد میں دلچسپی کا عنصر مفقود رہا کیونکہ ڈراما نگار نے اس کے مدمقابل نسوانی کرداروں کو اس کے دلائل و براہین کے سامنے بے بس اور مجبور دکھا کر محض اپنے مخصوص نظریے کی ترجمانی کی ہے۔

ارشاد کی رفیق کار اور ڈرامے کی ضمنی کردار نائلہ کا محبت میں ناکامی کے بعد خودکشی کر لینا اور اس کی موت پر ارشاد کا نائلہ سے تقابل بھی عورت کی مسخ تصویر پیش کرتا ہے کہ ارشاد نے شبانہ سے محبت کے باوجود جب اس کی مرضی پر اپنی مرضی قربان کی تو اسے خالقِ حقیقی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا سلیقہ آ گیا۔مگر نائلہ نے خودکشی کر کے پست جذباتی رویے کا اظہار کیا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ نائلہ کی خودکشی کی مذمت کے لئے ہی فلیش بیک کی تکنیک میں ارشاد اور شبانہ کی محبت کے چند مناظر دکھا کر ڈراما نگار نے مرد کی برتری مضبوط قوت ارادی اور بالادستی نمایاں کی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔یوں اس کردار اور ڈرامے کے ذریعے عورت کی ذہنی اور عقلی صلاحیتوں کی براہِ راست نفی کی گئی۔

ڈرامے کی مرکزی کردار مومنہ عدیل ہیرو کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز تو رہی لیکن وہ ستی ساوتری ڈرامے کے اختتام پر خود اس حقیقت کو تسلیم کر لیتی ہے کہ عورت صرف مرد کی طلب گار رہتی ہے۔جبکہ مرد کا مقام محبوبِ حقیقی کا آستانہ ہے۔بابا غلام دین جو پورے ڈرامے میں بے بسی کی تصویر ہے کہ بسم اللہ کے سوا کسی اور لفظ کو ذہن نشین ہی نہیں کر سکتا۔یکا یک تصوف اور عرفان کے ایسے ترکے کا وارث بن جاتا ہے جس تک پہنچنے کے لئے ارشاد نے عمرِ عزیز کے کئی برس صرف کئے۔جب بابا غلام دین ارشاد کو اپنی

باقیات سونپ کر اس پر وقت کے صاحبِ ارشاد ہونے کی مہر ثبت کر دیتا ہے تو ارشاد بڑے نور کے وصال کی طلب اور جستجو میں بیمار ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس کے اور اللہ کے وصال کے درمیان اب کیا امر مانع ہے۔ یکا یک مومنہ جب اس سے کہتی ہے کہ:۔

''میں آپ کی سلامتی کے لئے دعا گو رہتی ہوں''(۷)

تو اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ یہ مومنہ ہی ہے جو اس کی راہ کھوٹی کرنے کا سبب ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ وقت کے صاحب ارشاد کو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ماں کی دعا تو حائل نہیں مگر محبوبہ اسے راہِ عدم سدھارنے سے روک رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ڈراما نگار نے ہیرو کو اس قدر بے بس کر دیا ہے کہ وہ بالجبر مومنہ عدیل سے اغماض برتے۔

ارشاد تو وفات کے بعد بڑے نور میں گم ہو گیا مگر مومنہ عدیل ارشاد کی یادوں کے سہارے باورچی خانے میں چولہا جھونکتی نظر آئی۔ ارشاد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم جب اس کے احوال نفسی کی تحقیق شروع کرتا ہے تو ارشاد کے بارے میں متضاد آراء بھی درحقیقت اس کی عظمت اور ترفع کا اظہار تھیں۔ اور ڈرامے کے اختتام پر کمال ہنرمندی سے مومنہ عدیل کے حوالے سے بے بنیاد قصے مشہور کر دیئے گئے۔ مگر ارشاد کا بیٹا جب ان معلومات کو قلمبند کرتا ہے جو اس نے اپنے باپ کے دوست احباب سے جمع کی تھیں تو نہ صرف اس کا چہرہ رنگ ونور میں ڈوب جاتا ہے بلکہ اس کی تحریر کے دوران جو آواز سپر امپوز ہوتی ہے وہ بھی معمولی نہیں بلکہ ملکوتی ہے۔ یوں اس سلسلہ وار اُردو کھیل کو تہذیبی وسماجی تناظر میں دیکھیں تو اشفاق احمد کے ہاں مرد کی برتری کی واضح مثال نظر آتی ہے۔

۱۹۷۰ کے عشرے کو روشن خیالی کا دور کہا جاتا ہے مگر جب اشفاق احمد کے ڈراموں کو مذہبی و سماجی تناظر میں پرکھا جائے تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ مصنف مذکور کو عورت کی ذات میں کوئی نکھار یا ترفع محسوس نہیں ہوتا بلکہ ان کے تمام نسوانی کردار مردانہ کرداروں کی باندیاں نظر آتے ہیں۔

عورت اور مرد کے لئے دہرے ظالمانہ معیار قائم کرنا پدرسری نظام کا خاصا ہے۔ ہم کل بھی اس میں رہ رہے تھے اور آج بھی اسی میں رہ رہے ہیں۔ عورت کی اس مسخ تصویر میں اشفاق احمد نے مزید زہر بھر دیا۔ بہت زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ ہنرمند ادیب تھے۔ اسی لئے یہ زہر بہت چالاکی سے بھرا گیا ہے۔(۸)

اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے ڈراموں پر پاکستان ٹیلی ویژن کی مایہ ناز اداکارہ مدیحہ گوہر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:۔

''میں کہوں گی کہ وہ ایک کلچر پیدا کر رہے تھے۔ یہاں ہم افسانوں یا شاعری کی بات نہیں کر رہے ہیں۔ آپ میڈیا کی زبردست طاقت کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ اس وقت ایک ہی ٹی وی چینل تھا اور تمام لوگ وہی دیکھ رہے تھے۔ اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے ڈراموں میں

عورت کو جو تصور پیش کیا جا رہا تھا اس کا اثر سب پر ہی پڑ رہا تھا۔ یہ سب کچھ کس قدر خطرناک تھا۔ ایک پوری مہذب سوچ کو روندا جا رہا تھا۔ ساحرہ کاظمی جوان ڈراموں کی ڈائریکٹر تھیں ۔انہوں نے مجھ سے بھی کہا تھا کہ میں ان ڈراموں میں کام کروں لیکن میں نے ان طوطا کہانی وغیرہ میں کام کرنے سے انکار کر دیا تھا‘‘(۹)

معروف ڈرامانگار امجد اسلام امجد اشفاق احمد کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

’’میں انہیں اپنے عہد کا سب سے بڑا ڈرامانگار مانتا ہوں ایک غیر معمولی ذہن اور انداز کے حامل ہیں مگر پچھلے دس بارہ سال سے انہوں نے دیکھنے والے کی ذہنی فریکوینسی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات کرنے کی کوشش کی ہے تو ان کے دیکھنے والوں کی تعداد تیزی سے کم ہونی شروع ہوئی اور سنجیدہ ذوق رکھنے والے لوگ بھی پوری طرح متوجہ نہ ہوئے۔‘‘(۱۰)

ان مثالوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اشفاق احمد مرد کی بالادستی کے قائل ہیں۔ ان کے ڈراموں میں مرد کی عظمت کی ایسی تصویر دکھائی گئی ہے کہ عورت اپنے شخصی وجود کے ساتھ ان کے ڈراموں میں ابھر کر سامنے نہ آسکی اور ایک طویل عرصہ مصنف مذکور ناظرین کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز رہے۔

حوالہ جات

۱۔ اشفاق احمد، من چلے کا سودا، لاہور: الحمرا انٹرپرائز، ۱۹۹۶ء، ص-۳۰۶۳۰۵

۲۔ القرآن المجید، سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر ۴۲، لاہور: ماسٹر قرآن کمپنی ۳۸ ص ۵۱

۳۔ ایضاً، سورۃ التحریم، آیت ۱۱

۴۔ اشفاق احمد، من چلے کا سودا، ص ۱۲-۱۱

۵۔ ایضاً، ۵۶-۵۵

۶۔ ایضا، ص ۲۵۸

۷۔ ایضاً، ص ۲۵۷

۸۔ نیلم حسین، ٹی وی ڈرامے اور اشفاق احمد بری عورت/ اچھی عورت، مشمولہ: ادب کی نسائی ردتشکیل، مرتبہ: فہمیدہ ریاض، وعدہ کتاب گھر، فروری ۲۰۰۶، ص ۱۲۰

۹۔ مدیحہ گوہر، تصوّرِ زن اور ردِتشکیل ایک تبادلہ خیالات، مشمولہ: ایضاً، ص ۱۲۹

۱۰۔ امجد اسلام امجد سے گفتگو، رسالہ، ندا، امجد اسلام امجد: فن و شخصیت، مرتبہ: زاہد حسن، لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۱۹۹۶ء، ص ۳۲۷